www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

شیخ محمد ناصر الدین البانی
مترجم: طارق علی بروہی

اسلامی معاشروں میں دعوتِ دین کا منہج اور ترتیب

زیر نظر خطاب میں محدث العصر شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم سوال کا جواب دیا ہے کہ وہ کیا طریقۂ دعوت ہے جو مسلمانوں کو عروج کی طرف گامزن کردے اور وہ کیا راستہ ہے کہ جسے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اُنہیں زمین پر غلبہ عطا کرے گا اور دیگر اُمّتوں کے درمیان جو اُن کا شایانِ شان مقام ہے، اس پر فائز کرے گا؟... اس کے جواب میں اُنہوں نے دعوتی موضوعات کی ترتیب کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے کہ داعیانِ اسلام کو ایسے اصل الاصول سے اپنی دعوت کا آغاز کرنا چاہئے جو انبیا کی دعوت کا مرکزی نکتہ رہا ہے اور ہر مسلمان پر اوّلین فرض ہے یعنی توحید اور اس پر ایمان کے تقاضے۔ نیز ہر مسلمان کو اسلامی عقائد کو واضح طور پر سمجھ اور جان لینے کے بعد، حکمرانوں سے پہلے اسلام کی اس حکومت کو اپنی ذات اور خاندان پر قائم کرنا چاہئے۔ اپنی دعوتی ترجیحات کو سیاست وحاکمیت اور غلبہ دین پر قائم کرنا اُسوہ رسل کے خلاف، دینی ترجیحات کے منافی ہے اور یہ مسلمانوں پر تکلیف مالا یطاق بھی ہے۔ اُنہوں نے کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ پورا دین اسلام ایک اکائی ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جاسکتا اور دین کے تمام پہلو اہم ہیں اور وہ اُن کی اہمیت کم نہیں کرنا چاہتے لیکن داعیان کی ترجیحات اور مدعوین کا اوّلین فرض، اُسوۂ نبوی اور دعوتی حکمتِ عملی کے حوالے سے واضح رہنا چاہئے۔ عرب ممالک میں میسّر آزادی اور درپیش حالات کے تناظر میں اُن کا یہ موقف قابل مطالعہ واستفادہ ہے۔ ح م

توحید سب سے پہلے؛ اے داعیانِ اسلام!... توحیدِ کامل کی دعوت

سوال: فضیلۃ الشیخ! آپ جانتے ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ کی دینی حالت، عقیدہ اور اعتقادی مسائل سے لاعلمی اور اپنے مناہج میں اختلاف وافتراق کے اعتبار سے نہایت ابتر ہے اور دنیا بھر میں دعوتِ اسلام پہنچانے میں اُس عقیدۂ اوّل اور منہج اول سے اکثر غفلت برتی جاتی ہے جس

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کے ذریعہ اُمّت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ یہ الم ناک حالت یقیناً مخلص مسلمانوں کے اندر ایمانی غیرت وحمیّت کو اُبھارتی ہے اور اس کو بدل دینے اور اس خلل کی اصلاح کرنے کی جانب اُنہیں متوجہ کرتی ہے، مگر جیسا کہ فضیلۃ الشیخ آپ جانتے ہیں کہ اپنے میلاناتِ عقیدۂ و منہج میں اختلاف کی وجہ سے وہ اس اصلاح کے لئے بروے کار لائے جانے والے طریقۂ کار میں اختلاف کا شکار ہیں۔ پھر ان مختلف تحریکوں اور اسلامی گروہی جماعتوں کو بھی آپ جانتے ہیں جو برسوں، دہائیوں سے اُمّت کی اصلاح کا ڈنڈھورا پیٹ تو رہی ہیں، مگر اس کے پیروی کر کے اُن کے لئے آج تک کوئی نجات یا فلاح رقم نہیں ہو سکی، بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کی وجہ سے فتنے اُبھرے، آفتوں کا نزول ہوا اور عظیم مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے عقیدہ و منہج میں رسول اللہ ﷺ کے حکم اور جو کچھ آپ ﷺ لے کر آئے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس بات نے مسلمانوں خصوصاً نوجوانانِ اُمت میں اس صورتحال کے علاج کی کیفیت کے بارے میں ایسا گہرا اثر چھوڑا ہے کہ سب حیران و پریشان ہیں۔ اندریں حالات ایک مسلمان داعی جو منہجِ نبوت کی پابندی اور سبیل المومنین کی اتباع کرتا ہے، فہم صحابہ اور جنھوں نے بطریقۂ احسن اُن کی پیروی کی، اُن کی بجا آوری کرتا ہے، وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس صورتحال کی اصلاح یا اس کے علاج میں شریک ہونے کا عزم کر کے اُس نے ایک عظیم امانت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

آپ کی کیا نصیحت ہے ایسی تحریکوں یا جماعتوں کی پیروکاروں کے لئے؟

اور اس صورتحال کے علاج کے کون سے نفع بخش اور مفید طریقے ہیں؟

اور ایک مسلمان کس طرح بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے بریٔ الذمہ ہو گا؟

جواب از محدثِ زماں علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

انبیاء و رسل علیہم السلام کے منہج کے مطابق سب سے پہلے توحیدِ ربانی کی خصوصیت سے دعوت دینا اور اس کا اہتمام کرنا واجب ہے۔ مسلمانوں کی جو زبوں حالی ابھی سوال میں بیان ہوئی، ہم اس پر مزید بیان کریں گے، وہ یہ کہ

یہ الم ناک صورتحال اس سے بدتر نہیں جو صورتحال جاہلیت میں عرب کی ہوا کرتی تھی کہ

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

جب اُن میں ہمارے نبی محمد رسول ﷺ مبعوث ہوئے۔ کیونکہ ہمارے پاس تو رسالت موجود ہے، اور اس کی تکمیل بھی، اور ایسا گروہ بھی جو حق پر قائم ہے، جن کے ذریعے ہدایت ملتی ہے، اور یہ طائفہ منصورہ لوگوں کو عقیدہ وعبادت اور سلوک و منہج کے اعتبار سے صحیح اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔

بلاشبہ مسلمانوں کے بہت سے گروہوں کی جو حالت ہے، وہ دورِ جاہلیت کے عرب کی مانند ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اُن کا علاج بھی وہی علاج ہے، اور ان کی دوا بھی وہی دوا ہے۔ چنانچہ جیسے نبی اکرم ﷺ نے اس جاہلیتِ اوّل کا علاج کیا تھا، اسی طرح تمام موجودہ داعیانِ اسلام کو کلمۂ توحید لا إله إلا الله (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) کے سوے فہم کا علاج کرنا ہوگا، اور اُنہیں چاہئے کہ اپنی اس الم ناک حالت کا اسی دوا سے علاج کریں۔ اس کا معنیٰ بالکل واضح ہے، اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور تدبر کریں:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝۲۱ ﴾[1]

''یقیناتمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔''

سو مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کی اصلاح اور ہر زمانے کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ ہی بہترین نمونہ ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسی چیز سے ابتدا کریں جس سے ہمارے نبی ﷺ نے ابتدا کی تھی یعنی سب سے پہلے مسلمانوں کے فاسد عقائد کی اصلاح کرنا، پھر اِس کے بعد اُن کی عبادتوں کی، اور پھر اُن کے رویوں میں پائے جانی والی خرابیوں کی۔

میری اس ترتیب سے کہ سب سے پہلے اہم ترین چیز سے شروع کرنا چاہئے پھر اس کے بعد جو اہم ہو، پھر جو اس کے بعد، سے مراد یہ نہیں کہ میں ان میں تفریق کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مسلمان اِس کا خصوصی اہتمام کریں۔ یہاں مسلمانوں سے میری مراد بلاشبہ داعیانِ اسلام ہیں۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہو گا کہ میں کہوں کہ مسلمانوں کے علما، کیونکہ صد افسوس

1 سورۃ الاحزاب:۲۱

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

آج 'داعیان' کے اندر ہر مسلمان داخل ہو چکا ہے خواہ وہ علمی طور پر بالکل کنگال ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ اپنے آپ کو داعیانِ اسلام میں شمار کرنے لگتا ہے۔

اگر ہم اس معروف اصول کو یاد رکھیں جو صرف علماے کرام ہی نہیں بلکہ ہر عقل مند جانتا ہے:"فاقد الشيء لا يعطيه" (جو کسی چیز کا خود حامل نہیں وہ دوسروں کو نہیں دے سکتا)۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مسلمانوں پر مشتمل ایک بہت بڑا گروہ ہے، جب دعاۃ (داعیوں) کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اُن کی طرف لوگوں کی نظریں اُٹھتی ہیں۔ میری اس سے مراد 'تبلیغی جماعت' ہے، باوجود اس کے کہ 'اکثر لوگوں' پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۸﴾[1] "اور اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اُن کے طریقۂ دعوت کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ جن اُمور کا میں نے ابھی ذکر کیا یعنی عقیدہ، عبادت اور سلوک، اُن میں سے پہلی یا اہم ترین بات کے اہتمام سے وہ مکمل طور پر اِعراض برتتے ہیں۔ اس اصلاح سے جس سے نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے بلکہ تمام انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے آغاز فرمایا، جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾[2]

"ہم نے ہر اُمّت میں ایک رسول بھیجا جس نے یہی دعوت دی کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔"

پس یہ لوگ اس بنیادی دعوت اور ارکانِ اسلام کے اس رکنِ اوّل کی قطعاً پروا نہیں کرتے جیسا کہ اہل علم مسلمان اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ توحید ہی وہ بنیادی اساس ہے جس کی دعوت تمام رسولوں میں سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام تقریباً ہزار سال دیتے رہے۔ سب جانتے ہیں کہ پچھلی شریعتوں میں ان احکامِ عبادات و معاملات کی تفصیل موجود نہ تھی جو ہمارے دین میں معروف ہیں، کیونکہ یہ دین تمام سابقہ شریعتوں اور ادیان کو ختم کرنے والا ہے، اس کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں پچاس کم ہزار سال رہے اور اپنا تمام تر وقت

۱ سورۃ الاعراف:۱۸۷
۲ سورۃ النحل:۳۶

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اور اہتمام اسی دعوتِ توحید پر صرف فرمایا، لیکن اُن کی قوم نے اُن کی دعوت سے اِعراض برتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں بیان فرمایا: ﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ﴾[1]

"اور اُنہوں نے کہا: ہر گز نہ چھوڑنا اپنے معبودات کو، نہ چھوڑنا وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔"

پس یہ دلائل اس بات پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ وہ داعیان کو جو 'صحیح و برحق اسلام' کی جانب دعوت دینا چاہتے ہیں، اُن کے نزدیک سب سے اہم چیز اور جس کی دعوت کا ہمیشہ اہتمامِ خاص کرنا چاہئے وہ دعوتِ توحید ہے اور یہی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[2]

"جان لو، اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔"

اور یہی تھی سنتِ نبوی ﷺ عملاً و تعلیماً...!!

جہاں تک اُن کے فعل کا تعلق ہے تو اس پر زیادہ ڈھونڈنے یا ریسرچ کی ضرورت نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے مکی دور میں آپ ﷺ کے افعال اور دعوت کا غالب حصہ اپنی قوم کو اس بات کی دعوت دینے پر منحصر تھا کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں۔

جہاں تک تعلیم کا معاملہ ہے تو انس بن مالک ؓ کی حدیث میں ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو حکم ارشاد فرمایا:

«فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللهِ، فَإِذَا عَرَفُوا اللهَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا فَعَلُوا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا، فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ»[3]

۱ سورۃ نوح:۲۳

۲ سورۃ محمد:۱۹

۳ صحیح بخاری:۱۴۵۸؛ صحیح مسلم:۱۹؛ سنن ابو داود:۱۵۸۴؛ جامع ترمذی:۶۲۵

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"سب سے پہلے اُنہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں (یعنی اسلام قبول کر لیں) تو اُنہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اسے بھی ادا کریں تو اُنہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض قرار دی ہے جو ان کے سرمایہ داروں سے لی جائے گی (جو صاحب نصاب ہوں گے) اور اُنہیں کے فقیروں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کر۔ البتہ ان کی عمدہ چیزیں (زکوٰۃ کے طور پر لینے سے) پرہیز کرنا۔"[1]

یہ حدیث لوگوں کو معلوم ہے اور بہت مشہور ہے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی چیز سے ابتدا کرنے کا حکم فرمایا جس سے خود آپ ﷺ نے ابتدا فرمائی تھی اور وہ توحید کی جانب دعوت تھی۔ بلاشبہ وہ مشرکین عرب جو اس بات کو خوب اچھی طرح سے سمجھتے تھے جو اُن کی زبان میں کہا جاتا تھا، اُن میں اور مسلمانوں کی آج کل ایک غالب اکثریت میں بہت فرق ہے جنہیں اس بات کی آج دعوت نہیں دینی پڑتی کہ وہ زبان سے "لا إله إلا الله" کہیں کیونکہ یہ سب تو پہلے ہی اپنے مذاہب، طریقوں اور عقائد کے اختلافات کے باوجود اس کے قائل ہیں۔ یہ سب کہتے ہیں کہ لا إله إلا الله، لیکن در حقیقت یہ اس بات کے زیادہ ضرورت مند ہیں کہ وہ اس کلمۂ طیبہ کا فہم حاصل کریں۔ یہ ایک بنیادی فرق ہے ان اوّلین عرب میں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے جب اس بات کی دعوت دی کہ وہ لا إله إلا الله کہیں تو وہ تکبر کرتے تھے جیسا کہ قرآنِ کریم میں صریحاً بیان ہوا۔[2] وہ کیوں تکبر کرتے تھے؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کلمے کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابری والا نہ بناؤ اور نہ ہی اس کے سوا کسی کی عبادت کرو، جبکہ وہ اس کے سوا اوروں کی

۱ حدیث میں آگے یہ بیان ہوا ہے کہ "اگر وہ یہ شہادتیں تسلیم کر لیں تو پھر اُنہیں خبر دینا پنج وقتہ نماز کی فرضیت کی، اگر وہ بھی مان لیں تو پھر خبر دینا زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں۔" (مترجم)

۲ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے:
﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۵ وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۶ ﴾
"ان مشرکوں سے جب یہ کہا جاتا تھا: لا إله إلا الله (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں) تو وہ تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودات کو ایک شاعر و مجنون کے کہنے پر چھوڑ دیں گے۔"

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بھی عبادت کرتے تھے۔ پس وہ غیر اللہ کی نذرونیاز، غیر اللہ سے توسل، غیر اللہ کے لئے ذبح اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا دوسرے احکام پر چلتے یہاں تک کہ وہ غیر اللہ سے استغاثہ (فریاد) تک کرتے تھے۔

یہ وہ مشہور شرکیہ اور وثنیہ (بت پرستی، قبر پرستی وغیرہ) وسائل ہیں جن میں وہ مبتلا تھے، اس کے باوجود وہ اس کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله کے لوازم کو عربی لغت کے اعتبار سے جانتے تھے کہ ان تمام اُمور کو چھوڑنا پڑے گا، کیونکہ یہ لا إلٰه إلا الله کے معنیٰ کے منافی اُمور ہیں۔

'کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے والا مسلمان ہے!' کا صحیح مفہوم

جبکہ آج کے مسلمان جو "لا إله إلا الله" کی گواہی دیتے ہیں وہ اس کے معنیٰ اچھی طرح نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کا مکمل طور پر برعکس معنیٰ سمجھتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں:

اُن میں سے بعض نے "لا إله إلا الله" کے معنیٰ پر ایک رسالہ 'تالیف کیا تو اس میں لا إله إلا الله کا معنی "لاربّ الا اللہ!!" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ربّ نہیں) کیا۔ یہ تو وہ معنیٰ ہے جس پر مشرکین بھی ایمان رکھتے تھے، اور اسی پر وہ گامزن تھے، مگر ان کے اس ایمان نے اُنہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴾

"اور (اے نبی ﷺ) اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو وہ ضرور بالضرور کہیں گے کہ: اللہ (ہی) ان کا خالق ہے۔"

پس مشرکین اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس کا کوئی شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کی برابری والے اور شریک مقرر کرتے تھے۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ رب واحد ہے مگر معبودات بہت سے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کو ردّ فرمایا اور اپنے اس فرمان سے اسے اللہ تعالیٰ کے

۱ یہ صوفی طریقہ 'شاذلیہ' کے شیخ محمد ہاشمی ہیں جو ملک شام میں تقریباً پچاس سال سے شیخ یا پیر صاحب ہیں۔

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

سوا دوسروں کی عبادت کرنا قرار دیا:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ﴾[1]

"جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اولیا بنا رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے مگر اسی لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قربت اور نزدیکی دلا سکیں۔"

مشرکین یہ بات جانتے تھے کہ لا إله إلا الله کا اقرار اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک کی عبادت کو چھوڑنا ہو گا۔ جبکہ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت اس کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں) کی تفسیر 'لا ربّ الا اللہ!' (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ربّ نہیں) کرتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان "لا إله إلا الله" کہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرے تو وہ عقیدۃً مشرک ہی ہے اگرچہ ظاہری اعتبار سے وہ مسلمان ہے، کیونکہ اس نے کلمے "لا إله إلا الله" کو زبان سے پڑھا ہے تو وہ اس زبانی اقرار کے سبب لفظی اعتبار سے ظاہری مسلمان ہے۔ اسی وجہ سے ہم پر داعیانِ اسلام ہونے کے ناطے، توحید کی دعوت اور جو لا إله إلا الله کے معنی سے جاہل ہے اور اس کی عملاً مخالفت کرتا ہے، اس پر حجّت تمام کرنا واجب ہے۔ اُن کا معاملہ مشرکوں سے اس طور پر الگ ہے کہ جو لا إله إلا الله کہنے سے ہی انکاری ہے تو وہ مسلمان نہیں نہ ظاہراً نہ باطناً، جبکہ مسلمانوں کی آج یہ بہت کثیر تعداد (جن میں عقائد کا بگاڑ پایا جاتا ہے) ظاہراً مسلمان ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فإذا فعلوا ذٰلك عصموا منّي دماءهم وأموالهم إلا بحقّها وحسابهم علىٰ الله تعالىٰ»[2]

"اگر وہ اس کلمے کو پڑھ لیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال محفوظ کر لیں گے سوائے اسلامی اعتبار سے اُن کی جان و مال لینے کا کوئی حق بنتا ہو اور ان کے باقی اعمال کا حساب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر ہے۔"

اسی لئے میں ایک بات کرتا ہوں اور ایسی بات میں شاذ و نادر ہی کہتا ہوں کہ کلمے کے غلط فہم

۱ سورۃ الزمر:۳
۲ صحیح بخاری:۲۵؛ صحیح مسلم:۲۲

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کے اعتبار سے موجودہ دور کے بہت سے مسلمانوں کی حالت جاہلیت کے دور کے عام عربوں سے بھی گئی گزری ہے، کیونکہ مشرکین عرب اس کا فہم تو رکھتے تھے مگر اس پر ایمان نہ لاتے تھے، جبکہ آج مسلمانوں کی غالب اکثریت ایسی بات تو کہتے ہیں (یعنی لا إله إلا الله) لیکن وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ کہتے تو ہیں: لا إلٰه إلا الله مگر کما حقہ اس کے معنیٰ پر ایمان نہیں رکھتے۔

اسی وجہ سے میرا یہی اعتقاد ہے کہ حقیقی داعیانِ اسلام پر واجب ہے کہ وہ اس کلمے کے گرد اپنی دعوت کو قائم کریں اور سب سے پہلے اس کے حقیقی معنیٰ اختصار سے بیان کریں پھر اس کلمۂ طیبہ کے لوازم کا تفصیلی بیان کریں، کہ عبادات میں اس کی تمام تر صورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب مشرکین کا یہ قول ذکر فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾[1]

”جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور اولیا بنا رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اسی لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قربت اور نزدیکی دلا سکیں۔“

تو اللہ تعالیٰ نے ہر عبادت جو غیر اللہ کے لئے کی جائے، کو کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله کا انکار قرار دیا۔ اسی لئے میں آج یہ کہتا ہوں: مسلمانوں کی جمعیتیں بنا لینے اور اُنہیں جمع کرنے سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں اگر ہم اُنہیں گمراہی میں ہی پڑا رہنے دیں اور اس کلمۂ طیبہ کا صحیح فہم اُنہیں بیان نہ کریں۔ محض اس طرح مسلمانوں کو جمع کر لینا اُنہیں اس دنیا تک میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا چہ جائیکہ آخرت میں کوئی فائدہ پہنچ پائے! ہم نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان جانتے ہیں:

«من مات وهو يشهد أن لا إلٰه إلا الله مخلصًا من قلبه حرّم الله بدنه علىٰ النار»[2]

”جو فوت ہوا اس حال میں کہ وہ لا إله إلا الله کی گواہی دیتا تھا، اپنے دل کے اخلاص کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دیا ہے۔“

1 سورۃ الزمر: ۳

2 موسوعۃ الالبانی فی العقیدۃ: ۲/ ۳۴، ۱۵

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اور ایک دوسری روایت ہے میں کہ دخل الجنة[1] (جنت میں داخل ہو گا)۔ پس جنت میں دخول کی ضمانت دینا ممکن ہے، چاہے اس کے کہنے والے کو جہنم میں کسی بھی قسم کا عذاب ملنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ جو کوئی اس کلمے کا صحیح اعتقاد رکھتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ عذاب سے دوچار ہو، اپنے ان گناہوں کی پاداش میں جن کا وہ مرتکب ہوا۔ مگر اس کا آخری ٹھکانہ تو جنّت ہی ہے۔ اس کے برعکس جس نے زبان سے تو اس کلمے کو ادا کیا مگر دل سے صحیح ایمان نہ رکھتا تھا تو اسے یہ آخرت میں کوئی بھی نفع نہ پہنچا سکے گا، البتہ دنیا میں کچھ فائدہ پہنچا دے جیسا کہ اگر مسلمانوں کی قوت وسلطنت ہو تو اُس سے قتال یا اُس کا قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن آخرت میں وہ اُسے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا، اِلا یہ کہ اس نے اوّلاً اس کے معنیٰ سمجھ کر پڑھا ہو اور ثانیاً اس معنی کا اعتقاد بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ صرف فہم کا ہونا کافی نہیں جب تک اس فہم کا اعتقاد بھی ساتھ نہ ہو۔

میرے خیال میں اکثر لوگ اس نکتے سے غافل ہیں اور وہ یہ کہ: ایمان کا فہم ہونا کافی نہیں جب تک دونوں اُمور یکجانہ ہوں تاکہ وہ مؤمن کہلائے۔ کیونکہ یہود ونصاری میں سے بہت سے اہل کتاب جانتے تھے کہ محمد ﷺ سچّے رسول ہیں، اپنی رسالت اور نبوت کے دعوے میں صادق ہیں، لیکن اس معرفت کے ہوتے ہوئے کہ جس کی گواہی ہمارے رب تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمائی: ﴿ يَعْرِفُونَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾[2]

"وہ اس (نبی محمد ﷺ) کو ایسے ہی جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔"

اس کے باوجود اس اکیلی معرفت نے اُنہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی فائدہ نہ پہنچایا، کیوں؟ کیونکہ اُنہوں نے آپ ﷺ کی اس رسالت ونبوت کی تصدیق نہ کی جس کا آپ ﷺ دعویٰ فرماتے تھے۔ اسی لئے معرفتِ ایمان سے پہلے ہے مگر اکیلی معرفت کافی نہیں، بلکہ معرفت کے ساتھ ساتھ ایمان وتسلیم لازمی ہے، کیونکہ مولیٰ کریم عزوجل کا قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ... ﴾[3]

"جان لو اور اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور

1 مسند احمد: ۲۲۶۲۵، صحیح ابن حبان: ۱/ ۴۳۰، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۳۵۵

2 سورۃ البقرۃ: ۱۴۶

3 سورۃ محمد: ۱۹

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔"

اس بنا پر جب ایک مسلمان اپنی زبان سے لا إلٰه إلا الله کہتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اس اقرار کے ساتھ اس کلمے کی مختصر پھر تفصیلی معرفت کو بھی شامل کرے۔ جب وہ اسے جان جاتا ہے اور اس کی تصدیق کر کے اس پر ایمان لے آتا ہے تو ایسے شخص پر ہی وہ احادیث صادق آتی ہیں جو ہم نے ابھی بیان کیں۔ جن میں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جو میری بیان کردہ بات کی کسی قدر وضاحت کرتا ہے:

«من قال لا إله إلا الله، أنجته يومًا من دهره»[1]

"جس نے لا إلٰه إلا الله کہا، وہ اسے کبھی نہ کبھی ضرور فائدہ پہنچائے گا۔"

یعنی یہ کلمۂ طیبہ اس کے معنیٰ کی معرفت حاصل کر لینے کے بعد جہنم میں ہمیشہ رہنے سے نجات کا سبب ہے۔ اسے میں اس لئے دُہراتا ہوں تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے: "یہ کلمہ نجات کا سبب بنے گا..." اگر اس کا قائل جس بات کا یہ کلمہ متقاضی ہے، اُنہیں بروئے کار لایا اور جو شرائطِ ایمان اس سے لازم آتی ہیں، اعمالِ قلبیہ ہوں یا ظاہری اعمال کے اُنہیں بجالایا۔[2]

اگرچہ اس کا قائل اس کے کمال کے تقاضوں جیسے عملِ صالح اور برائیوں سے اجتناب پر کاربند نہ بھی ہو سکا ہو لیکن شرکِ اکبر سے محفوظ رہا، تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے ارتکاب یا بعض واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے سبب جہنم میں داخل ہو، پھر اسے یہ کلمۂ طیبہ نجات دلائے یا اللہ تعالیٰ اس سے اپنے فضل و کرم سے درگزر فرمادے۔[3]

یہ معنیٰ ہے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کا جس کا ذکر پہلے گزر چکا: «من قال لا إلٰه إلا الله، نفعته يومًا من دهره» "جس نے لا إلٰه إلا الله کہا، وہ اسے کبھی نہ کبھی ضرور فائدہ

1 السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۹۳۲؛ الحلیۃ الاولیاء: ۵/ ۴۶؛ الطبرانی فی الأوسط: ۶۵۳۳
2 جیسا کہ بعض علمائے کرام کا اجتہاد ہے جس کی کچھ تفصیل ہے جس کا یہ موقع محل نہیں۔
3 یہی وہ عقیدہ سلف صالحین ہے جو ہمارے اور خوارج و مرجئہ کے درمیان حدِ فاصل ہے۔

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

پہنچائے گا۔" البتہ جو محض زبان سے اسے ادا کرے مگر اس کا معنیٰ نہ سمجھتا ہو، یا پھر معنیٰ تو سمجھتا ہو مگر اس معنی پر ایمان نہ رکھتا ہو، تو ایسے شخص کو اس کا لا إله إلا الله کہنا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس قریب کی دنیاوی زندگی میں اگر وہ حکومتِ اسلامی کے تحت جی رہا ہے تو اسے یہ فائدہ پہنچا سکتا ہے لیکن بعد میں آنے والی دائمی زندگی میں تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اسی لئے ضروری ہے کہ توحید کی دعوت پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھا جائے خواہ مسلمانوں کا کوئی بھی معاشرہ یا گروہ ہو جو حقیقتاً اور جلد از جلد یہ چاہتا ہے... جیسا کہ تمام جماعتیں یا اکثر جماعتیں یہ دعویٰ کرتی ہیں ... کہ ایسی سرزمین جہاں اللہ تعالیٰ کا شرعی نظام قائم نہیں، وہاں ایسے اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے ہوں۔ یہ جماعتیں یا یہ تنظیمیں ممکن نہیں کہ اس غایت وہدف کو پاسکیں جسے حاصل کرنے کے لئے یہ سب جمع ہیں اور اسے جلد از جلد حقیقت کا روپ دینے کے لئے کوشاں ہیں اِلاّ یہ کہ وہ اس چیز سے ابتدا کریں کہ جس سے رسول ﷺ نے ابتدا فرمائی تھی۔

عقیدے کا اہتمام کرنے کے وجوب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ باقی شرعی عبادات، سلوک، معاملات اور اخلاق سے لاپرواہی برتی جائے۔ میں دوبارہ متوجہ کروں گا کہ میرا یہ کہنا کہ "سب سے اہم ترین چیز سے شروع کیا جائے پھر جو اس کے بعد اہم ہو پھر جو اس سے کم تر" سے مراد یہ نہیں کہ داعیان اپنی دعوت کو محض اس کلمۂ طیبہ اور اس کے معنیٰ کے فہم تک محدود کردیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس نعمت کو اپنا دین مکمل کرکے تمام کردیا ہے! بلکہ ان داعیان کو چاہئے کہ اسلام کو بطور ایک ایسی اکائی کے لیں جو ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتی۔

میری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی داعیانِ اسلام کو چاہیے کہ اس چیز کا اہتمام خاص کریں کہ جو سب سے اہم ترین چیز اسلام لے کر آیا ہے یعنی مسلمانوں کو صحیح عقیدے کا فہم دینا جو کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله سے ماخوذ ہوتا ہے، اس پر اپنی دعوت کو مستحکم کریں۔

کلمہ طیبہ کے تقاضوں کے مطابق عبادات وعقائد میں توحید

اس خلاصے کے بعد میں آپ کی توجہ اس جانب مبذول کروانا چاہوں گا کہ ایک مسلمان لا إله إلا الله کا معنیٰ فقط یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود موجود نہیں بلکہ اس سے

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ ان عبادات کو سمجھیں جن کے ذریعہ ہم اپنے ربّ کی عبادت کر سکیں، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندے کے لئے ان عبادتوں کو ادا نہ کریں۔ لازم ہے کہ اس تفصیل کا بیان بھی کلمۂ طیبہ کے اس مختصر معنیٰ کے ساتھ منسلک ہو۔ مناسب ہو گا کہ یہاں میں ایک یا اِس سے زیادہ مثالیں بیان کروں، کیونکہ اجمالی بیان کافی نہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ بلاشبہ بہت سے مسلمان جو حقیقی موحدین ہیں اور عبادتوں میں سے کوئی بھی عبادت غیر اللہ کے لئے ادا تو نہیں کرتے، لیکن ان کا ذہن بھی بہت سے ایسے صحیح افکار وعقائد سے خالی ہوتا ہے جن کا ذکر کتاب و سنت میں موجود ہے۔ پس ان موحدین میں سے بہت سے کئی آیاتِ قرآنی اور بعض احادیثِ مبارکہ پر سے گزر جاتے ہیں جو کسی بنیادی عقیدے پر مشتمل ہوتی ہیں مگر وہ اس عقیدے سے باخبر اور مطلع ہوئے بغیر اس پر سے گزر جاتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے اِتمام میں سے ہے۔

مثلاً یہ عقیدہ سامنے رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر علوّ وبلندی پر ایمان لانا۔ میں یہ بات اپنے تجربہ کی بنا پر جانتا ہوں کہ ہمارے بہت سے موحدین سلفی بھائی ہمارے ساتھ یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور بنا تاویل وتکییف کے اس کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان کے پاس موجودہ دور کے معتزلی یا موجودہ دور کے جہمی، یا ماتریدی یا اشعری آکر اس آیت کے ظاہر کو بنیاد بنا کر کوئی شبہ اُن کے دلوں میں ڈالتے ہیں جس کا معنیٰ نہ خود وسوسہ گر جانتا ہے اور نہ ہی وسوسے کا شکار، تو وہ اپنے عقیدے کے بارے میں حیران وپریشان ہو جاتا ہے، اوراس سے بہت دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے، کیوں؟ کیونکہ اس نے صحیح عقیدے کو جس کا بیان و وضاحت ہمارے ربّ کی کتاب اور ہمارے نبی محمد ﷺ کی حدیث میں پیش کی گئی ہے، ہر سمت سے اچھی طرح حاصل نہیں کیا۔ پس جب موجودہ دور کا کوئی معتزلی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں: ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ [1]

"کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان پر ہے۔"

اور تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم نے اپنے

1 سورۃ الملک: ۱۵،۱۶

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

معبود کو ایک مکان وجہت یعنی آسمان جو اسی کی مخلوق ہے میں متعین کر دیا!! چنانچہ وہ یہ شبہ اپنے مخاطب کے دل میں ڈالتا ہے۔

اس مثال سے میری مراد یہ بیان کرنا تھا کہ افسوس کی بات ہے کہ عقیدۂ توحید اپنے تمام تر لوازم اور مطالبات کے ساتھ بہت سے ایسے لوگوں تک کے ذہنوں میں بھی واضح نہیں جو خود سلفی عقیدے پر ایمان لائے ہیں۔ ان لوگوں کی تو دور کی بات رہی جو اس قسم کے مسائل میں اشاعرہ، ماتریدیہ اور جہمیہ کے عقائد کی پیروی کرتے ہیں۔ میں نے یہ مثال اس لئے پیش کی کیونکہ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں جیسا کہ آج کچھ داعیان جو قرآن و سنت کی جانب دعوت میں ہمارے ہم نوا ہیں، تصور کرتے ہیں۔ یہ معاملہ اس لئے اتنا سہل نہیں جیسا کہ ان میں سے بعض دعوٰی کرتے ہیں کیونکہ اس کا سبب وہی فرق ہے جو پہلے بیان ہوا کہ اوّلین جاہلیت کے حامل مشرکین (جنہیں جب دعوت دی جاتی کہ وہ لا إله إلا الله کہیں تو وہ انکار کرتے، کیونکہ وہ اس کلمۂ طیبہ کا معنٰی جانتے تھے) اور موجودہ دور کے اکثر مسلمانوں میں کہ جب یہ کلمہ پڑھتے ہیں تو اس کا صحیح معنٰی نہیں جانتے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات پر بلندی کے عقیدے کے بارے میں بھی اب پایا جاتا ہے، یہ بھی وضاحت کا متقاضی ہے اور یہی کافی نہیں کہ ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ ﴾[1] ''وہ رحمٰن ہے جو عرش پر مستوی ہوا۔''

«ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء»[2]

''جو زمین میں ہیں، ان پر مہربانی کرو؛ جو آسمان پر ہے، وہ تم پر رحم فرمائے گا۔''

بنا یہ جانے کہ کلمہ 'فی' (میں) جو اس حدیث میں بیان ہوا ظرفیہ نہیں، اس کی مثال اس 'فی' کی سی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں وارد ہوا: ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ ﴾[3]

''کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان پر ہے۔''

کیونکہ 'فی' یہاں بمعنی 'علیٰ' (پر رکے اوپر) ہے، اور اس کی بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔ جن میں سے سابقہ حدیث جو لوگوں کی زبان زدعام ہے اور یہ اپنے مجموعی طرق کے اعتبار سے الحمد

1 سورۃ طٰہٰ:۵

2 سنن ابوداود:۴۹۴۱؛ جامع ترمذی:۱۹۲۴؛ سلسلۃ احادیث الصحیحۃ:۹۲۵

3 سورۃ الملک:۱۵،۱۶

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

للہ صحیح حدیث ہے، نبی اکرم ﷺ کے اس قول: «ارحموا من في الأرض» (جو زمین میں ہیں، ان پر رحم کرو) سے حشرات الارض یا کیچوے مراد نہیں جو زمین کے اندر ہوتے ہیں بلکہ اس سے مراد جو علیٰ الأرض زمین پر انسان وحیوان ہیں، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے مطابق ہے: «یرحمکم من في السماء» "جو آسمان میں (پر) ہے۔" یعنی: علیٰ السماء (آسمان پر ہے)، چنانچہ دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں کے لئے اس قسم کی تفصیل جاننا ضروری ہے تاکہ وہ مکمّل طور پر دلیل پر قائم ہوں۔

اس سے واضح تر مثال اس لونڈی کے متعلق مشہور ومعروف حدیث ہے جو بکریاں چرایا کرتی تھی، میں اس حدیث میں سے صرف متعلقہ حصہ بیان کروں گا، جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: أین اللہ؟ (اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟) تو اس جواب دیا: في السماء[1] "آسمان میں" یعنی وہ آسمان پر ہے۔

اگر آج آپ جامعہ ازہر کے بڑے مشائخ سے پوچھیں مثلاً اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو وہ آپ کو جواب دیں گے: ہر جگہ! جبکہ اس لونڈی تک نے یہ جواب دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے، اور نبی کریم ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی تھی، کیوں؟ کیونکہ اُس نے فطرت کے مطابق جواب دیا۔ وہ ایسے ماحول میں رہتی تھی جسے ہم اپنی آج کل کی تعبیر کے مطابق 'سلفی ماحول' کہہ سکتے ہیں، جس میں عام تعبیر کے مطابق کوئی برا ماحول اثر انداز نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ مدرسۂ رسول ﷺ سے تعلیم یافتہ تھی۔ یہ مدرسہ بعض مردوں اور عورتوں کے لئے خاص نہیں تھا بلکہ یہ تمام لوگوں میں عام تھا جو مردوں اور عورتوں کو شامل تھا اور اپنے تکمیل پر پورے معاشرے کے لئے عام ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بکریاں چرانے والی لونڈی بھی یہ جانتی تھی کیونکہ کسی خراب ماحول کا اس پر اثر نہ ہوا تھا۔ وہ کتاب وسنت میں موجود اس صحیح عقیدے کو جانتی تھی جو آج بہت سے کتاب وسنت کے علم کے دعویداروں کو نہیں معلوم۔

وہ جانتے ہی نہیں کہ ان کا ربّ کہاں ہے! حالانکہ یہ کتاب وسنت میں مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج اس بیان اور وضاحت میں سے کوئی چیز مسلمانوں کے درمیان موجود نہیں، اگر

1 صحیح مسلم:۱۱۹۹؛ سنن ابو داؤد:۹۳۰

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

آپ آج بکریوں کی نگہبانی کرنے والی سے نہیں بلکہ اُمّت اور جماعتوں کی نگہبانی کرنے والوں سے پوچھیں، تو وہ اس کا جواب دینے کے بارے میں حیران و پریشان ہوں گے جیسا کہ آج بہت سے لوگ اس کا جواب دینے میں حیران و پریشان ہوتے ہیں سوائے جس پر اللہ رحم فرمائے!!

صحیح عقیدے کی جانب دعوت عظیم اور جہدِ مسلسل کی متقاضی ہے!

لہٰذا توحید کی جانب دعوت اور اِسے لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنا، ہم سے اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم آیات پر سے بنا تفصیل کے نہ گزر جائیں جیسا کہ عہد اوّل میں تھا۔ اولاً تو وہ عربی عبارات کو بآسانی سمجھ لیتے تھے اور ثانیاً وہ اس چیز پر قائم تھے جو صحیح عقیدے کے ہرگز مخالف نہ تھی کیونکہ ان کے یہاں عقیدے کا وہ انحراف اور ٹیڑھ پن نہ تھا جو فلسفہ اور علم الکلام کی پیداوار ہے۔ جبکہ ہماری موجودہ صورتحال اس سے بالکل مختلف ہے جو اوّل دور کے مسلمانوں کی تھی۔ اسی لئے ہم اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ آج صحیح عقیدے کی جانب دعوت دینا اتنا آسان ہے جیسا کہ عہدِ اوّل میں تھا، اس پر مزید روشنی میں ایسی مثال کے ذریعے ڈالتا ہوں جس کے بارے میں کوئی دورائے نہ ہوں گی، ان شاء اللہ...

عہدِ اوّل میں جو آسانی معروف تھی، وہ یہ کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست ایک حدیث سنتا، پھر ایک تابعی وہ حدیث ایک صحابی سے براہِ راست سنتا... اور اسی طرح ہم ان تین زمانوں یا نسلوں تک چلتے ہیں جن کے راہِ راست پر ہونے کی گواہی دی گئی ہے، اور ہم پوچھتے ہیں: کیا ان کے یہاں کوئی چیز فن حدیث کے نام سے تھی؟ جواب: نہیں، کیا اُن کے یہاں کوئی چیز جرح وتعدیل کے نام سے موجود تھی؟ جواب: نہیں، جبکہ آج یہ دونوں علوم ایک طالبِ علم کے لئے لازم ہیں، اور یہ فرضِ کفایہ میں سے ہیں، اور یہ اس لئے کہ آج ایک عالم حدیث کی معرفت حاصل کر سکے کہ آیا وہ صحیح ہے یا ضعیف؟ پس یہ کام اتنا آسان و سہل شمار نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ایک صحابی کے لئے تھا۔ کیونکہ ایک صحابی حدیث کو دوسرے ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کر لیا کرتا تھا جن کے ایمان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ جو اُن دنوں آسان تھا، وہ آج آسان نہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں صاف ستھرا علم تھا اور علم حاصل کرنے کے مصادر ثقہ تھے۔ اسی لئے اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کرنا اسی طرح ضروری ہے

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے آج ہمیں بہت سی ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کا سامنا اوّلین مسلمانوں کو نہیں کرنا پڑا تھا، کیونکہ ہمارے یہاں مختلف ناموں کے تحت صحیح عقیدے اور منہج حق سے منحرف اہل بدعت کے اشکالات اور شبہات کے سبب عقیدے کا بہت سا بگاڑ موجود ہے۔

ان مختلف ناموں یا دعوتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ہم صرف کتاب وسنّت کی طرف دعوت دیتے ہیں! جیسا کہ علم الکلام کی جانب منسوب لوگ بھی یہی زعم رکھتے اور دعویٰ کرتے ہیں۔ اس بارے میں صحیح احادیث قابل ذکر ہیں، جن میں سے یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ان احادیث میں سے بعض میں غربا (معاشرے میں اجنبی لوگوں) کا ذکر فرمایا، تو یہ فرمایا:

«للواحد منهم خمسون من الأجر»، قالوا: «منا يا رسول الله أو منهم؟»... قال: «منكم»[1]

"ان میں کے ایک شخص کا ثواب پچاس کے ثواب کے برابر ہوگا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ پچاس اُن میں سے یا ہم میں سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے۔"

یہ نتیجہ ہے آج اسلام میں اُس شدید غربت (اجنبیت) کا جو دورِ اوّل میں نہ تھی۔ بلاشبہ دورِ اوّل میں اجنبیت صریح شرک اور ہر شبہ سے خالی خالص توحید کے درمیان تھی، کھلم کھلا کفر اور ایمانِ صادق کے درمیان تھی، جبکہ آج خود مسلمانوں کے اندر ہی مشکلات پائی جاتی ہیں کہ ان میں سے اکثر کی توحید ہی ملاوٹوں سے اَٹی ہوئی ہے، یہ اپنی عبادات غیر اللہ کے لئے ادا کرتے ہیں پھر بھی دعویٰ ایمان کا ہے۔ اوّلاً تو اس مسئلے پر متوجہ ہونا ضروری ہے۔

توحید اور اس کے لوازم سے پہلے اقامتِ دین کی دعوت... چہ معنی دارد؟

ثانیاً یہ جائز نہیں کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم اب توحید کے مرحلے سے آگے نکل کر دوسرے مرحلے میں منتقل ہو جائیں یعنی سیاسی عمل کا مرحلہ!!

1 معجم کبیر از طبرانی: ۱۰/ ۲۵۵، رقم: ۱۰۳۹۲؛ سنن ابو داود: ۴۳۴۱؛ موسوعۃ الالبانی فی العقیدۃ: ۲/ ۲۱

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کیونکہ اسلام کی دعوت سب سے پہلے دعوتِ حق ہے۔ جائز نہیں کہ ہم یہ کہیں: ہم تو عرب ہیں اور قرآنِ مجید ہماری زبان میں نازل ہوا ہے، حالانکہ یاد رکھیں کہ آج کے عربوں کا معاملہ عربی زبان سے دوری کے سبب ان عجمیوں سے بالکل برعکس ہو گیا ہے جو عربی سیکھتے ہیں۔ پس اس بات نے اُنہیں اُن کے ربّ کی کتاب اور اُن کے نبی ﷺ کی سنت سے دور کر دیا۔ بالفرض ہم عربوں نے صحیح طور پر اسلام کا فہم حاصل اگر کر بھی لیا ہے، تب بھی ہم پر واجب نہیں کہ ہم سیاسی عمل میں حصہ لینا شروع کر دیں، اور لوگوں کو سیاسی تحریکوں سے وابستہ کریں، اور اُنہیں جس چیز میں مشغول ہونا چاہیے یعنی اسلام کے عقیدے، عبادت، معاملات اور سلوک کا فہم حاصل کرنا سے ہٹا کر سیاست میں مشغول رکھیں۔ مجھے یقین نہیں کہ کہیں ایسے لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہوں جنہوں نے اسلام کا صحیح فہم یعنی عقیدے، عبادت اور سلوک میں حاصل کیا ہو اور اسی پر تربیت پائی ہو۔

تبدیلی یا انقلاب کی بنیاد: منہج تصفیہ و تربیہ

اسی وجہ سے ہم ہمیشہ یہ کہتے چلے آئے ہیں اور انہی دو اساسی نکات پر جو تبدیلی و انقلاب کا قاعدہ ہے، ہمیشہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں، اور وہ دو نکات تصفیہ (دین کو غلط باتوں سے پاک کرنا) اور تربیہ (اس پاک شدہ دین پر لوگوں کی تربیت کرنا) ہیں۔ ان دونوں اُمور کو یکجا کرنا ضروری ہے: تصفیہ اور تربیہ، کیونکہ اگر کسی ملک میں کسی طرح کا تصفیہ کا عمل ہوا جو کہ عقیدے میں ہے تو یہ اپنی حد تک واقعی ایک بہت بڑا اور عظیم کارنامہ ہے جو اتنے بڑے اسلامی معاشرے کے ایک حصہ میں رونما ہوا، لیکن جہاں تک عبادت کا معاملہ ہے تو اسے بھی مذہبی تنگ نظری سے پاک کر کے سنّتِ صحیحہ کی جانب رجوع کا عمل ہونا چاہئے۔

ہو سکتا ہے ایسے بڑے رجید علمائے کرام موجود ہوں جو اسلام کا ہر زاویے سے صحیح فہم رکھتے ہوں مگر میں یہ یقین نہیں رکھتا کہ ایک فرد یا دو، تین یا دس بیس افراد اس تصفیے کے فرض کو ادا کر پائیں۔ تصفیہ کرنا (پاک کرنا) اسلام کو ہر اس چیز سے جو اُس میں در آئی ہے خواہ وہ عقیدے میں ہو یا عبادت و سلوک میں، محض کچھ افراد کی یہ استطاعت نہیں کہ وہ اسلام سے منسلک ہر غلط چیز کا تصفیہ کر کے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی اس پر صحیح و سلیم تربیت کر کے

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

سرفراز ہو سکیں۔ اسی لئے تصفیہ وتربیہ کا عمل آج مفقود ہے!!

اسی لئے ان دو اہم باتوں کو یقینی بنانے سے پہلے کسی بھی اسلامی معاشرے میں جہاں شریعت کا نفاذ نہ ہو، وہاں کسی سیاسی تحریک میں حصہ لینا بُرے اثرات مرتب کرنے کا پیش خیمہ ہو گا۔ ہاں! اولوالامر کی نصیحت وخیر خواہی کرنا سیاسی تحریک کا متبادل ہو سکتا ہے، کسی بھی ایسے ملک میں جہاں شریعت کی تحکیم ہو، (خفیہ) مشاورتوں یا الزامی وتشہیری زبان استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہوئے شرعی ضوابط کے تحت بطورِ احسن اپنی بات پہنچا دینے کے ذریعہ، پس حق بات کو پہنچا دینا حجت کو تمام کرتا اور پہنچا دینے والے کو بریٔ الذمہ کرتا ہے۔

نصیحت وخیر خواہی میں سے یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو اس چیز میں مصروف کریں جو اُنہیں فائدہ پہنچائے جیسے عقائد، عبادت، رویوں، اور معاملات کی تصحیح۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہوں کہ ہم تصفیہ وتربیہ کے منہج کی تمام اسلامی معاشروں میں نافذ ہو جانے کی اُمید رکھتے ہیں! ہم تو یہ بات نہ سوچتے ہیں اور نہ ہی ایسی خام خیالی میں مبتلا ہیں، کیونکہ ایسا ہو جانا تو محال ہے، اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾﴾[1]

”اگر آپ کا ربّ چاہتا تو تمام انسانوں کی ایک ہی اُمّت بنا دیتا مگر یہ لوگ ہمیشہ اختلافات میں ہی رہیں گے۔“

البتہ ان لوگوں پر ہمارے ربّ تعالیٰ کا یہ فرمان: اختلافات کا شکار رہنا، لاگو نہیں ہو گا، اگر یہ اسلام کا صحیح فہم حاصل کریں اور اس صحیح اسلام پر خود اپنی، اپنے اہل وعیال اور گردونواح کے لوگوں کی تربیت کریں۔

سیاسی عمل میں کون حصہ لے؟... اور کب؟

آجکل سیاسی عمل یا سرگرمی میں حصّہ لینا ایک مشغلہ بن گیا ہے! حالانکہ ہم اس کے منکر نہیں مگر ہم بیک وقت ایک شرعی ومنطقی تسلسل پہ ایمان رکھتے ہیں کہ ہم اصلاح وتربیت کے

[1] سورۃ ھود: ۱۱۸

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اعتبار سے عقیدے سے شروع کریں، پھر عبادت پھر سلوک و عمل، پھر اس کے بعد ایک دن آئے گا جب ہم سیاسی مرحلے میں داخل ہوں گے مگر اس کے شرعی مفہوم کے مطابق۔ کیونکہ سیاست کا معنی ہے: اُمّت کے معاملات کا انتظام کرنا، اُنہیں چلانا۔ پس اُمت کے معاملات کون چلاتا ہے؟ نہ زید، نہ بکر، نہ عمرو، اور نہ ہی وہ جو کسی پارٹی کی بنیاد رکھے یا کسی تحریک کی سربراہی کرتا ہو یا کسی جماعت کو چلاتا ہو!! یہ معاملہ تو خاص ولی امر (حکمران) سے تعلق رکھتا ہے، جس کی مسلمانوں نے بیعت کی ہے۔ یہی ہے وہ جس پر واجب ہے کہ وہ موجودہ سیاسی حالات اور ان سے نمٹنے کی معرفت حاصل کرے۔ لیکن اگر مسلمان متحدہ نہ ہوں جیسا کہ ہماری موجودہ حالت ہے تو ہر حاکم اپنی سلطنت کی حدود میں ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے آپ کو ان اُمور میں مشغول رکھیں جن کے بارے میں بالفرض ہم مان بھی لیں کہ ہمیں اس کی کماحقہ معرفت حاصل ہوگئی ہے تب بھی ہمیں سیاسی اُمور کی یہ معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، کیونکہ ہمارے لئے اسے نافذ کرنے کا اِمکان ہی نہیں، کیونکہ ہم اُمت کے اُمور چلانے کے بارے میں فیصلوں کا اختیار ہی نہیں رکھتے۔ تو محض یہ معرفت بیکار ہے جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں!!

میں آپ کو ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ وہ جنگیں جو مسلمانوں کے خلاف بہت سے اسلامی ممالک میں بپا ہیں، کیا اس بات کا کوئی فائدہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے جذبات اُبھاریں اور اُنہیں اس جانب برانگیختہ کریں جبکہ ہم اس جہاد کا کوئی اختیار ہی نہیں رکھتے جس کا انتظام ایک ایسے ذمہ دار امامِ جہاد کے ذمہ ہے جس کی بیعت ہو چکی ہو؟! اس کے بغیر اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ واجب نہیں! لیکن ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ کام اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہے۔ اسی لئے ہم پر واجب ہے کہ ہم آپ کو اور دوسروں کو جنہیں ہم اپنی دعوت پہنچا رہے ہیں، اس بات میں مشغول رکھیں کہ وہ صحیح اسلام کا فہم حاصل کرکے اس پر صحیح تربیت حاصل کریں۔ لیکن اگر ہم محض اُنہیں جذباتی اور ولولہ انگیز باتوں میں مشغول رکھیں گے تو یہ اُنہیں اس بات سے دور کر دیں گی کہ وہ اُس دعوت کے فہم میں مضبوطی حاصل کر پائیں جو ہر مکلّف مسلمان پر واجب ہے جیسے عقائد، عبادت اور عملی رویوں کی تصحیح۔

مزید برآں یہ اُن فرائض عینیہ میں سے ہے جس میں تقصیر کا عذر قابل قبول نہیں، جبکہ جو دوسرے اُمور ہیں ان میں سے تو بعض فرضِ کفایہ ہیں جیسا کہ آج کل جو کہا جاتا ہے

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

'فقہ الواقع' (حالاتِ حاضرہ کا علم) اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا جو کہ اُن لوگوں کی ذمہ داری ہے جو اہل حل و عقد ہیں، جن کے لئے یہ ممکن بھی ہے کہ اس معرفت سے وہ عملی استفادہ حاصل کر پائیں۔ جہاں تک معاملہ ہے ان لوگوں کا جن کے ہاتھ میں نہ حل ہے، نہ ہی عقد اور وہ لوگوں کو اُن باتوں میں مشغول کر رہے ہیں جو اہم تو ہیں مگر اہم ترین نہیں، تو یہ بات اُنہیں صحیح معرفت سے دور لے جاتی ہے۔

یہ بات تو ہم آج بہت سے اسلامی گروپوں اور جماعتوں کے مناہج میں باقاعدہ ہاتھوں سے چھو کر محسوس کر سکتے ہیں، کہ ہم جانتے ہیں کہ بعض داعیان مخلص نوجوانوں کو... جو اُن کے گرد اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ وہ اُنہیں صحیح عقیدہ، عبادت اور سلوک کی تعلیم دیں اور سمجھائیں ... اس سے پھیر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ داعیانِ سیاست سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور ان پارلیمنٹوں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلے کرتی ہے۔ اس طرح وہ اُنہیں اس اہم ترین چیز سے پھیر دیتے ہیں اس چیز کی طرف جو اِن موجودہ حالات میں اہم نہیں ہے۔

فی زمانہ ہر مسلمان کی ذمہ داری

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جو سوال میں پوچھی گئی تھی کہ کیسے ایک مسلمان ان پُر الم حالات میں اپنا کردار ادا کر کے برئ الذمہ ہو سکتا ہے، تو ہم کہتے ہیں: ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق کام کرے، ان میں سے ایک عالم کی جو ذمہ داری ہے، وہ غیر عالم کی نہیں، جیسا کہ میں اس قسم کی صورتحال میں بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اپنی کتاب کے ذریعہ مکمل فرمادی ہے اور اسے مسلمانوں کے لئے ایک دستور بنادیا ہے۔ اسی دستور میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿فَسْـَٔلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[1]

"اہل ذکر (علمائے کرام) سے سوال کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کو دو اقسام میں تقسیم فرمایا: ایک عالم اور دوسرے غیر عالم،

1 سورۃ الانبیاء: ۷

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اور اُن میں سے ہر ایک پر وہ واجب قرار دیا جو دوسرے پر واجب نہیں، پس جو علما نہیں، ان کو چاہئے کہ وہ اہل علم سے دریافت کریں، اور علمائے کرام پر یہ واجب ہے کہ وہ جس چیز کی بابت دریافت کیا جارہا ہے، اُس کا جواب دیں۔ اسی بنا پر مخاطب اور حالات بدل جانے سے واجبات بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کے اس دور میں ایک عالم پر واجب ہے کہ وہ بقدرِ استطاعت حق بات کی جانب دعوت دے، اور جو عالم نہیں ہے اسے چاہیے کہ جو بات اس سے یا اس کے زیر کفالت لوگوں جیسے بیوی بچے وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے اس کا سوال علمائے کرام سے کرے۔ اگر مسلمانوں کے یہ دونوں فریق اپنی استطاعت بھر ذمہ داری نبھاتے رہیں تو یقیناً نجات پاجائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[1]

"اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔"

صد افسوس ہم مسلمان ایک ایسے پُرالم دور سے گزر رہے ہیں جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، یہ کہ کفار چاروں طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحیح و معروف حدیث میں اس کی خبر دی:

«يُوشِكُ الأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا». فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ: «بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهَنَ». فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْوَهَنُ؟ قَالَ: «حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ»[2]

"ایسا وقت آنے والا ہے تم پر چاروں طرف سے قومیں ٹوٹ پڑیں گی جیسا کہ کھانے والے ایک دوسرے کو پلیٹ کی طرف دعوت دیتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس زمانے میں ہماری قلّتِ تعداد کی بنا پر ایسا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، تم اس زمانے میں بہت کثیر تعداد میں ہو گے، لیکن تمہاری حیثیت

١ سورۃ البقرۃ: ۲۸۶
۲ سنن ابو داؤد: ۴۲۹۷؛ مسند احمد: ۸۹۴۷؛ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۹۵۸

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

سیلابی ریلے میں بہہ جانے والے خس خاشاک کی سی ہوگی، اللہ تعالیٰ تمہارا رعب وہیبت کافروں کے دلوں سے نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں 'وَہن' ڈال دے گا۔ اُنھوں نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ 'وَہن' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
''دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت۔''

پس علمائے کرام پر جو واجب ہے کہ وہ 'تصفیہ و تربیہ' کا جہاد کریں، وہ اس طرح کہ مسلمانوں کو صحیح توحید، صحیح عقائد، عبادت اور سلوک کی تعلیم دیں، ہر کوئی اپنی طاقت بھر اپنے اس ملک میں جس میں وہ رہتا ہے۔ کیونکہ اپنی اس موجودہ حالت میں کہ وہ منتشر ہیں، نہ ہمیں کوئی ایک ملک جمع کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ایک صف، اس حالت میں ہم یہودیوں کے خلاف جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ان دشمنوں کے خلاف جو چاروں طرف سے ہم پر یلغار کررہے ہیں اس قسم کے جہاد کی استطاعت نہیں رکھتے، لیکن ہم پر واجب ہے کہ ہر اس قسم کا شرعی وسیلہ اختیار کریں جو ہمارے بس میں ہو، کیونکہ ہمارے پاس مادی قوت تو نہیں ہے، اور اگر ہو بھی تو ہم عملی اعتبار سے متحرک نہیں ہوسکتے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک میں ایسی حکومتیں، قیادتیں اور حکام ہیں جن کی سیاست شرعی تقاضوں پر مبنی نہیں، لیکن باذن اللہ ہم ان دو عظیم اُمور پر کام کرنے کی استطاعت ضرور رکھتے ہیں جو میں نے ابھی بیان کئے۔ پس جب مسلمان داعیان اس اہم ترین فرض کو لے کر کھڑے ہوں گے، ایسے ملک میں جہاں کی سیاست شرعی سیاست کے موافق اور اس پر مبنی نہیں، اور اس اساس پر وہ سب جمع ہوجائیں گے، تو میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس دن ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آئے گا: ﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۙ بِنَصْرِ اللَّهِ ﴾[1]
''اس دن مؤمنین خوشیاں منائیں گے اللہ تعالیٰ کی نصرت پر۔''

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حکم الٰہی اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حسبِ استطاعت نافذ کرے۔ چنانچہ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ وہ بقدرِ استطاعت کام کرے، اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا۔ صحیح توحید اور صحیح عبادت کے قیام سے لازم نہیں آتا کہ

1 سورۃ الروم: ۴،۵

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کسی ایسے ملک میں جہاں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے، وہاں اسلامی ریاست بھی قائم ہو جائے، لیکن اللہ کے اپنے ماننے والوں سے تقاضوں میں بھی ترجیحات ہیں، کیونکہ وہ پہلی بات جس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم ہونا چاہئے وہ اقامتِ توحید ہے اور اس کے علاوہ بھی بے شک کچھ ایسے خاص اُمور ہیں جو بعض زمانوں کی پیداوار ہیں جن سے الگ تھلگ رہنا اختلاط سے بہتر ہے، یعنی ایک مسلمان معاشرے سے الگ ہو کر اپنے ربّ کی عبادت میں لگا رہے، اور خود کو لوگوں کے شر سے بچائے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے، اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ جو اصل اصول ہے وہ تو یہی ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بیان ہوا:

«الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لاَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ»[1]

”وہ مومن جو لوگوں سے میل ملاپ کرتا ہے اور ان کی جانب سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، اس مومن سے بہتر ہے جو نہ لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور نہ ہی ان کی جانب سے ملنے والی اذیتوں پر صبر کرتا ہے۔“

پس ایک اسلامی ریاست بلاشبہ ایک وسیلہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم زمین پر قائم کرنے کا مگر یہ بذاتِ خود کوئی غرض وغایت نہیں۔ بہت عجیب بات ہے کہ بعض داعیانِ اسلام اس بات کا اہتمام تو کرتے ہیں جو حقیقتاً ان کے بس میں نہیں، اور اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان پر واجب ہے اور آسان بھی! اور وہ اپنے نفس کا مجاہدہ کرنا ہے جیسا کہ ایک مسلمان داعی کا قول ہے جس قول کی وصیت میں اس داعی اسلام کے پیروکاروں کو اکثر کرتا ہوں:

"أقيموا دولة الإسلام في نفوسكم تقم لكم في أرضكم"

”اپنے دلوں پر اسلامی حکومت قائم کرلو وہ تمہارے لئے تمہاری زمینوں پر بھی قائم کردی جائے گی۔“

اس کے باوجود ہم بہت سے اُن کے پیروکاروں کو پاتے ہیں کہ وہ اس بات کی مخالفت کرتے

1 جامع ترمذی:۲۵۰۷؛ سنن ابن ماجہ:۴۱۶۸؛ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۹۳۹

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہیں، اپنی دعوت کا ایک غالب حصہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاکمیت میں اکیلے ماننے پر زور دینے میں صرف کرتے ہیں، جسے وہ اس مشہور و معروف عبارت سے تعبیر کرتے ہیں: "الحاكمية لله" (حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حاکمیتِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے کہ اس میں، اور نہ کسی اور چیز میں اس کا کوئی شریک ہے۔ لیکن، اُن میں سے کوئی مذاہبِ اربعہ میں سے کسی مذہب کا مقلد ہوتا ہے اور جب اس کے پاس کوئی بالکل صریح و صحیح سنت آتی ہے تو کہتا ہے کہ یہ میرے مذہب کے خلاف ہے! تو کہاں گیا اللہ تعالیٰ کا حکم اتباعِ سنت کے بارے میں؟!

اور ان میں سے آپ کسی کو پائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صوفیوں کی طریقت پر کر رہا ہو گا! تو کہاں گیا اللہ تعالیٰ کا حکم توحید کے بارے میں؟! تو وہ دوسروں سے وہ مطالبہ کرتے ہیں جو اپنے آپ سے نہیں کرتے۔ یہ تو بہت آسان کام ہے کہ اپنے عقیدے، عبادت، سلوک اور اپنے گھر، بچوں کی تربیت، خرید و فروخت میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرو جبکہ اس کے برعکس یہ بہت مشکل اور کٹھن ہے کہ تم کسی حاکم کو جبراً کہو یا ایسے حاکم کو معزول کرو کہ جو اپنے بہت سے اَحکامات میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلے کرتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ آسان کو چھوڑ کر مشکل راہ کو اپنایا جا رہا ہے؟!

غرض ایسا رویہ دو میں سے ایک بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یا تو یہ رویہ نتیجہ ہے اس بری تربیت اور بری توجیہ کا ہے، یا پھر یہ خود داعیان اسلام کا اپنا وہ برا عقیدہ ہے جس نے اُنہیں اس بات سے روک اور پھیر کر جس کا اپنانا ان کی استطاعت میں ہے، اس بات کی طرف مائل کر دیا ہے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتے۔ آج کے اس دور میں مَیں تمام تر دعوتِ دین کا محور تصفیہ و تربیہ کے عمل کو بنا دینے اور صحیح عقیدے و عبادت کی جانب دعوت دینے کے سوا اور کوئی نظریہ نہیں رکھتا۔ ہر کوئی یہ کام اپنی استطاعت بھر انجام دے، اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر!!

(بہ شکریہ 'اصلی اہل سنت. کام')

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ